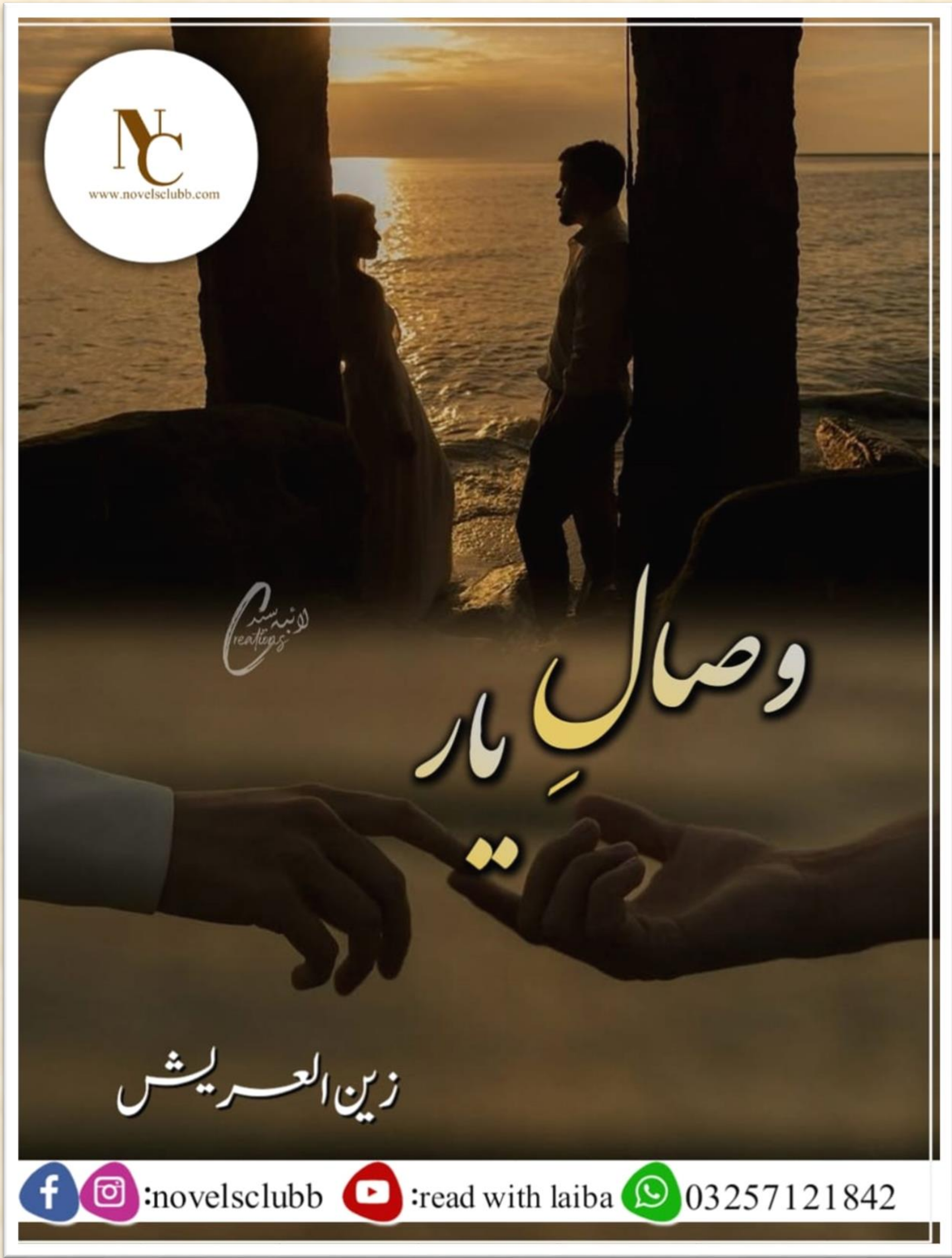
www.novelsclubb.com
وصالِ یار
زین العریش
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

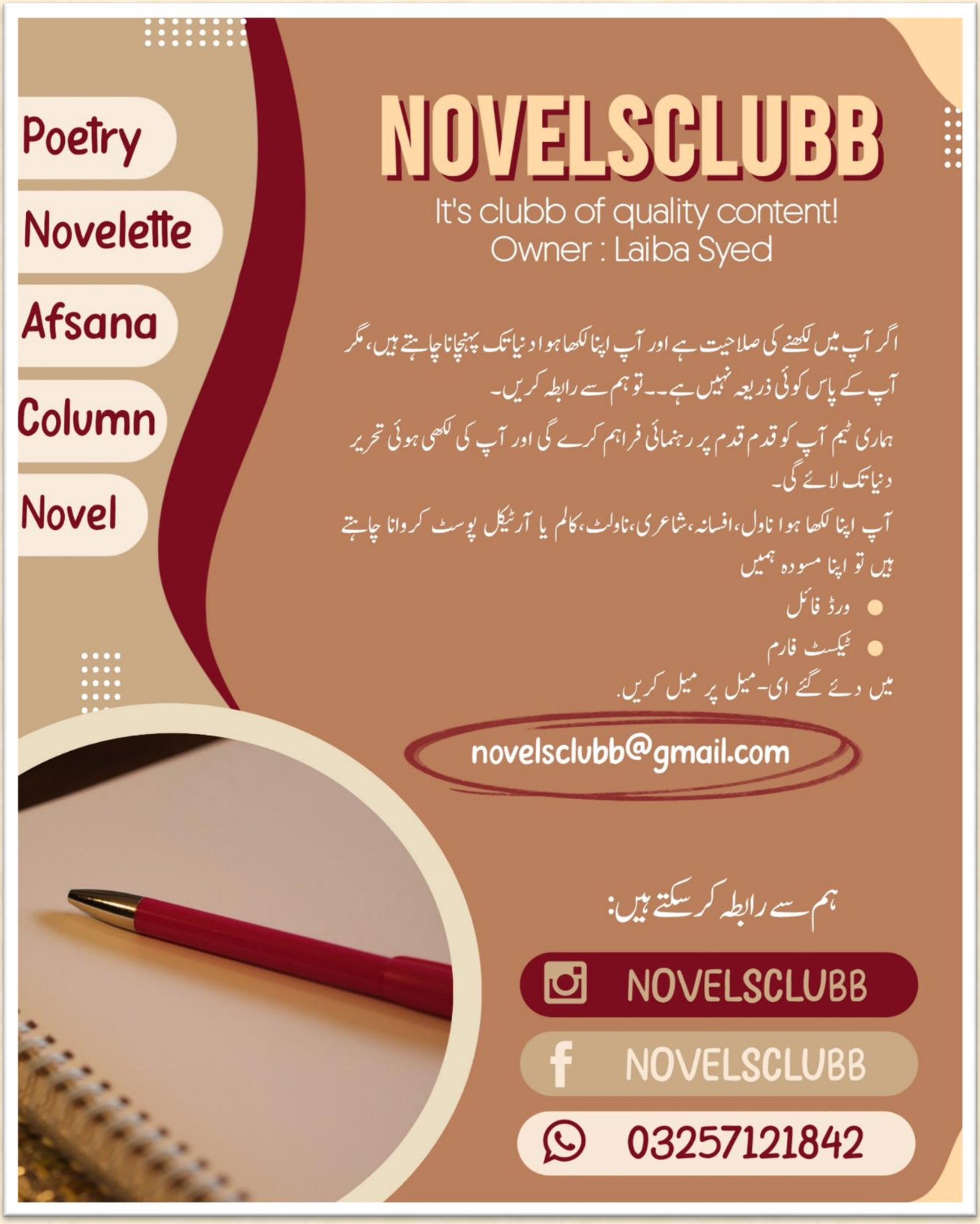
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

وصالِ یار

از قلم

زین العریش

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

وصالِ یار از قلم زین العریش

پہلی قسط۔۔۔

انتساب

کتابیں پڑھا کیجیے

تا کہ ہر اونچی آواز والا شخص دانشور نہ لگے

ہر وائرل چہرہ باصلاحیت محسوس نہ ہو

اور ہر چرب زبان انسان عالم نہ دکھائی دے

مطالعہ شعور دیتا ہے

اور شعور انسان کو اصل اور نقل میں فرق سکھاتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے آغاز... میں نہیں جانتی کہ یہ ناول اپنے اختتام تک پہنچ پائے گا یا نہیں، میں نہیں جانتی کہ میرا یہ سفر کتنا طویل ہو گا، لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میں نے یہ قلم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اٹھایا ہے۔ یہ میری زندگی کا ایک نیا سفر ہے، ایک ایسا سفر جس میں ہر لفظ کے ساتھ ایک دعا جڑی ہوئی ہے۔ اگر میرے رب نے چاہا تو یہ کہانی مکمل ہو گی، اور اگر نہ ہوئی تو بھی یہ کوشش میرے دل کے بہت قریب رہے گی۔

میں اپنی اس معمولی سی کاوش کو سب سے پہلے اپنے ربِ کریم کے نام کرتی ہوں، جس نے مجھے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی، خیال دیا، اور ہمت بخشی۔ اور پھر یہ ناول میری سب سے پیاری دوست علیزے کے نام وہ دوست جس نے میرے خوابوں پر یقین کیا، میرے حوصلے کو بڑھایا، اور مجھے بار بار یہ احساس دلایا کہ میں یہ سفر شروع کر سکتی ہوں۔

شاید اسے خود بھی اندازہ نہ ہو کہ اس کے چند حوصلہ افزا الفاظ میرے لیے کتنی بڑی طاقت بن گئے۔ علیزے! اگر آج میں اس سفر کا پہلا قدم اٹھا سکی ہوں تو اس میں تمہارے حوصلے کا بھی حصہ ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی عطا فرمائے اور تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ یہ ناول میرے رب کے حکم، اُس کی رحمت، اور ایک اچھی دوست کے حوصلے کے

نام۔"منزل ملے یا نہ ملے، یہ سفر میرے لیے قیمتی رہے گا، کیونکہ اس کا آغاز اللہ کے نام اور ایک خوبصورت حوصلے کے ساتھ ہوا ہے۔"—زین العریش ✨🌷

"اندھیرے"

*اندھیرا صرف روشنی کا نہ ہونا نہیں۔اندھیرا ایک کیفیت ہے۔ایک ایسی کیفیت جسے ہم خاموشی سے خود پر مسلط کر لیتے ہیں۔اندھیرا ایک خاموش چیخ ہے جو حلق میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔اندھیرا ایک ایسا راز ہے جسے ہر انسان اپنے سینے میں لیے پھرتا ہے۔ کسی کا اندھیرا اس کا ماضی ہوتا ہے۔وہ زخم جو بھر گئے تھے، مگر نشان چھوڑ گئے۔

کسی کا اندھیرا اس کا حال ہوتا ہے۔وہ گھٹن جو ہجوم میں بھی گھیر لیتی ہے۔ کسی کا اندھیرا اس کا آنے والا کل ہوتا ہے۔وہ خوف جو ابھی آیا نہیں، مگر ہر سانس کے ساتھ قریب ہو رہا ہے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس کے اندر کوئی اندھیرا نہ ہو۔ کسی کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے دل میں اداسی کا اندھیرا اتر چکا ہوتا ہے۔ کوئی ہجوم میں بھی تنہا ہوتا ہے۔ کوئی تنہائی میں بھی شور سے بھرا ہوتا ہے۔ اندھیرا ہمیشہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ کبھی یہ خیالات میں چھپ جاتا ہے۔ کبھی یادوں میں۔ کبھی خوف میں۔ کبھی غرور میں۔ کبھی حسد میں۔ کبھی محبت کے نام پر ہونے والی غلطیوں میں۔ کبھی گناہوں کے بوجھ میں۔

کبھی اس خالی پن میں جو کامیابی کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔ کائنات کا ہر ستارہ ہمیں روشنی دیتا ہے۔ مگر ستاروں کے درمیان بھی بے شمار تاریک خلا موجود ہیں۔ سائنس انہیں خلا کہتی ہے۔ انسان انہیں وسعت سمجھتا ہے۔ فلکیات کہتی ہے کہ کائنات کا 95 فیصد حصہ ڈارک میٹر اور ڈارک انرجی ہے۔ ہم صرف پانچ فیصد روشنی کو جانتے ہیں۔

باقی سب اندھیرا ہے۔ بلیک ہول روشنی کو بھی نگل جاتا ہے۔ وقت کو موڑ دیتا ہے۔ شاید انسان کے دل میں بھی ایسے بلیک ہول ہیں۔ جو دعائیں، خواب اور امیدیں سب کھینچ لیتے ہیں۔ دل کے اندھیرے کو کوئی دوربین نہیں دیکھ سکتی۔ کوئی خوردبین اسے ناپ نہیں سکتی۔ کوئی مشین اس کی

گہرائی نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ یہ اندھیرا فنر کس کا نہیں، روح کا ہے۔ زمین پر رات آتی ہے۔ پھر صبح ہو جاتی ہے۔

لیکن بعض دل ایسے ہوتے ہیں جہاں برسوں تک صبح نہیں ہوتی۔ وہاں سورج نکلتا ہے، مگر اندر اندھیرا نہیں جاتا۔ سیاست کی دنیا میں بھی اندھیرے بستے ہیں۔ جہاں کبھی اقتدار روشنی کے نام پر لیا جاتا ہے۔ اور کبھی روشنی ہی اندھیروں کی نذر کر دی جاتی ہے۔ جہاں سچ کو جیل میں بند کر دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ کو تخت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ جہاں عوام کو ڈرا کر خاموش کر دیا جاتا ہے۔ اور خاموشی کو امن کا نام دے دیا جاتا ہے۔ طاقت اگر انصاف سے خالی ہو جائے۔ تو وہ بھی ایک اندھیرا ہے۔ علم اگر اخلاق سے خالی ہو جائے۔ تو وہ بھی اندھیرا ہے۔

دولت اگر رحم سے خالی ہو جائے۔ تو وہ بھی اندھیرا ہے۔ شہرت اگر عاجزی سے خالی ہو جائے۔ تو وہ بھی اندھیرا ہے۔ اور محبت اگر اللہ کی رضا سے خالی ہو جائے۔ تو وہ بھی اندھیرا ہے۔ قرآن ہمیں بار روشنی کی طرف بلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "

اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوا یُخْرِجُھُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ. "

"اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے، وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔"

سورۃ البقرہ

ہ: 257 یہ صرف رات کے اندھیرے کی بات نہیں۔

یہ دلوں کے اندھیروں کی بات ہے۔ جہالت کے اندھیروں کی بات ہے۔ نافرمانی کے اندھیروں کی بات ہے۔ غرور کے اندھیروں کی بات ہے۔ نفاق کے اندھیروں کی بات ہے۔ ہم سب کسی نہ کسی جنگ میں ہیں۔ کسی کی جنگ دنیا سے ہے۔ کسی کی اپنے نفس سے۔ کسی کی اپنے ماضی سے۔ کسی کی اپنی ناکامیوں سے۔ اور کسی کی اپنے رب سے دوری سے۔ سب سے خطرناک اندھیرا وہ نہیں جو سورج ڈھلنے پر آتا ہے۔ بلکہ وہ ہے جو انسان کے ضمیر پر چھا جائے۔ جب غلط صحیح لگنے لگے۔ اور صحیح بوجھ محسوس ہونے لگے۔ جب گناہ معمول بن جائے۔ اور توبہ مشکل لگنے لگے۔ جب آنکھیں نم نہ ہوں۔ اور دل سخت ہو جائے۔ تب سمجھ لینا چاہیے کہ اندھیرا گہرا ہو چکا ہے۔

سائنس کہتی ہے کہ انسان کا دماغ اندھیرے میں زیادہ فعال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تب وہ خود سے بات کرتا ہے۔

نفسیات کہتی ہے کہ ڈپریشن ایک اندرونی رات ہے۔ جہاں باہر دن ہو، مگر اندر شام۔ فلسفہ کہتا ہے کہ اندھیرا عدم نہیں، ایک موجودگی ہے۔ ایک استاد ہے جو ہمیں توڑ کر پھر سے بناتا ہے۔ لیکن ہر اندھیرے کی ایک حد ہوتی ہے۔ اور ہر رات کی ایک صبح۔ اگر انسان روشنی تلاش کرنا چاہے۔ تو ایک چھوٹی سی کرن بھی کافی ہوتی ہے۔ ایک سجدہ، ایک آنسو، ایک سچا لفظ۔ ایک معافی، ایک رجوع، ایک امید۔ تاریخ گواہ ہے۔ غارِ حرا کا اندھیرا تھا۔ وہاں سے وہ نور نکلا جس نے دنیا بدل دی۔ کربلا کی رات سب سے گہری تھی۔ مگر اس اندھیرے نے حق اور باطل کے درمیان لکیر کھینچ دی۔ مکہ کے اندھیروں میں ایک آواز اٹھی: "اقرأ" پڑھو۔ کیونکہ علم اندھیرے کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہم روشنی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ مگر روشنی کی قدر تب ہی ہوتی ہے جب ہم اندھیرا سہہ چکے ہوں۔ آنکھ کی پتلی اندھیرے میں پھیلتی ہے۔ تاکہ کم سے کم روشنی بھی پکڑ سکے۔ دل بھی ایسا ہی ہے۔ جب ٹوٹتا ہے تو اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ کبھی اندھیرا رحم بن جاتا ہے۔

زمین کے اندھیرے میں ہی بیج درخت بنتا ہے۔ قبر کا اندھیرا بھی مومن کے لیے پردہ ہے۔ نور کے دروازے کا انتظار۔ کبھی اندھیرا آزمائش بن جاتا ہے۔ ایوبؑ کا اندھیرا تھا بیماری کا۔ یونسؑ کا اندھیرا تھا مچھلی کے پیٹ کا۔ موسیٰؑ کا اندھیرا تھا فرعون کے خوف کا۔ مگر ہر اندھیرے کے بعد نجات تھی۔ ہم

کہتے ہیں "اندھیرا دور کرو"۔ مگر ہم نے کبھی اندھیرے سے پوچھا کہ تم آئے کیوں ہو؟ شاید تم یہ بتانے آئے ہو کہ میں کہاں غلط تھا۔

کہ میں کس پر بھروسہ کر رہا تھا۔ کہ میری روشنی کہاں بجھ گئی تھی۔ کبھی اندھیرا آئینہ بن جاتا ہے۔ جس میں ہم اپنا اصل چہرہ دیکھتے ہیں۔ بغیر میک اپ کے۔ بغیر دکھاوے کے۔ بغیر لائکس کے۔ کبھی اندھیرا محافظ بن جاتا ہے۔

کیونکہ ہر چیز روشنی میں نہیں رہ سکتی۔ کچھ راز صرف اندھیرے میں محفوظ رہتے ہیں۔ کچھ درد صرف اندھیرے میں سمجھ آتے ہیں۔ یہ کہانی بھی ایک ایسے ہی اندھیرے سے شروع ہوتی ہے۔ جہاں کردار زندہ ہیں۔ مگر دل زخمی ہیں۔ ہونٹ مسکرا رہے ہیں۔ مگر روح خاموش ہے۔ ہر شخص کچھ چھپا رہا ہے۔ ہر شخص کچھ ڈھونڈ رہا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی اندھیرے سے نکلنا چاہتا ہے۔ مگر ہر کوئی راستہ نہیں جانتا۔ کوئی دولت میں راستہ ڈھونڈتا ہے۔

کوئی شہرت میں۔ کوئی محبت میں۔ کوئی انتقام میں۔ مگر راستہ صرف وہ ہے جو ضمیر کو سکون دے۔ جو رب کو راضی کرے۔ جو روح کو زندہ کرے۔ یہ صرف دلوں کے سفر کی داستان ہے۔ جہاں اندھیرا

دشمن ہے۔۔ کیونکہ بعض اوقات انسان روشنی کی قیمت تب ہی سمجھتا ہے۔جب وہ اندھیرے میں بہت دیر تک بھٹک چکا ہو۔جب اس کے پاؤں میں چھالے پڑ چکے ہوں۔جب اس کی آنکھیں تھک چکی ہوں۔

تب ایک دیا بھی سورج لگتا ہے۔اور شاید اصل سوال یہی ہے۔اندھیرا کہاں ہے؟دنیا میں، حکومتوں میں، نظاموں میں، یا ہمارے اپنے دلوں کے اندر؟کیا ہم خود اپنے لیے اندھیرا بن گئے ہیں؟کیا ہم نے خود اپنی روشنی بجھادی ہے؟اور کیا ہم ہمت کریں گے اسے دوبارہ جلانے کی؟کیونکہ جب تک سانس ہے۔جب تک دل دھڑک رہا ہے۔جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔تب تک کوئی اندھیرا دائمی نہیں ہوتا۔اور تب تک ہر رات کے بعد ایک صبح مقدر ہے۔بس فرق اتنا ہے۔کہ کچھ لوگ صبح کا انتظار کرتے ہیں۔اور کچھ لوگ خود صبح بن جاتے ہیں۔

رات کی خاموشی تھی...ایسی خاموشی جو کانوں میں شوں شوں کرتی ہے، جس میں دل کی دھڑکن بھی گناہ لگنے لگتی ہے۔صرف بارش کی ہلکی بوندیں تھیں جو مردہ پتوں پر، نم مٹی پر، اور پرانے سنگ مرمر

کے کتبوں پر ٹپ ٹپ کر کے گر رہی تھیں۔ ہر بوند کے ساتھ ایک آواز تھی... جیسے کوئی دور سے سسکیاں لے رہا ہو۔

امریکہ کا وہ سنسان قبرستان شہر سے بہت دور تھا۔ آس پاس نہ کوئی گھر تھا، نہ کوئی چراغ۔ بس لمبے لمبے سائپرس کے درخت تھے جو بارش میں بھیگ کر اور بھی کالے، اور بھی لمبے لگ رہے تھے۔ ان کے سائے زمین پر پھیلے تھے۔ اوپر آسمان پر بادل بھاری تھے، اور بادل کے پیچھے چھپے چاند کی روشنی کی مدھم، تھکی ہوئی لکیریں ٹوٹ ٹوٹ کر قبرستان کے راستوں پر گر رہی تھیں۔ ہوا سرد تھی... کاٹتی ہوئی سرد۔ وہ سردی جو ہڈیوں تک اتر جاتی ہے، جو کوٹ کی تہوں کو بے معنی کر دیتی ہے۔

جیوڈ کے قدم بھاری تھے۔ اتنے بھاری کہ لگتا تھا جیسے وہ مٹی نہیں، اپنے ماضی کو روند رہا ہو۔ اس کے جوتوں کے نیچے بھیگی ہوئی مٹی سرسرا رہی تھی۔ کیچڑ اس کے پینٹ کے کناروں تک چڑھ آیا تھا، لیکن اس نے ایک بار بھی نیچے نہیں دیکھا۔ بارش اس کے کالے کوٹ کو مکمل طور پر بھگو چکی تھی۔ پانی اس کے بالوں سے ٹپک کر گردن کے اندر جا رہا تھا، لیکن اسے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے اندر جو آگ جل رہی تھی، وہ اس بارش سے بھی نہیں بجھ سکتی تھی۔

Clubb of Quality Content

وہ جانتا تھا۔اسے پورے یقین سے معلوم تھا کہ آج کا دن اس کی زندگی کا سب سے کٹھن،سب سے آخری دن ہے۔اس کے بعد کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔

اس نے راستہ نہیں پوچھا۔اسے راستہ یاد تھا۔وہ سیدھا چلتا گیا... کتبوں کی قطاروں کے بیچ سے...جب تک کہ وہاں نہ پہنچ گیا۔سفید سنگ مرمر کا ایک سادہ سا کتبہ۔اس پر دو نام کندہ تھے۔اور کتبے کے اوپر، بارش میں بھیگے ہوئے، سوکھے سفید گلاب رکھے تھے۔وہ گلاب جو وہ خود ہر ہفتے لاتا تھا۔

قبر کے پاس پہنچتے ہی اس کی سانسیں اکھڑ گئیں۔جیسے کسی نے اس کا گلا دبا دیا ہو۔وہ نم مٹی پر بیٹھ گیا۔اس کے ہونٹ کانپے...اور پھر وہ لفظ نکلا جو اس کے سینے میں برسوں سے بند تھا۔

"ممی..."اس کی آواز ٹوٹ کر بکھر گئی۔بارش کی آواز میں دب سی گئی۔"ممی، آئی مس یو... آئی ریئلی، ریئلی لو یو!"

اس نے جھک کر اپنی پیشانی قبر کی ٹھنڈی، گیلی مٹی پر رکھ دی۔ آنسو تھے جو رک نہیں رہے تھے۔ وہ بارش کے قطروں کے ساتھ مل رہے تھے، فرق مٹا رہے تھے۔ کون آنسو تھا، کون بارش... کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ دونوں زمین میں جذب ہو رہے تھے۔

"ممی... آپ کے بغیر سب خالی ہے۔" اس کی آواز اب گڑگڑا رہی تھی۔ "یہ شہر، یہ ملک... یہ بڑی بڑی عمارتیں... سب بے جان ہے! سب سنسان ہے!"

وہ زور زور سے رونے لگا۔ بچوں کی طرح۔ "آپ نے ڈیڈ کی محبت میں اسلام قبول کیا۔ میں جانتا ہوں، ممی! میں سب جانتا ہوں۔ آپ نے ان کے لیے اپنا سب کچھ بدل دیا تھا۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔ بارش اس کے چہرے پر تھپیڑے مار رہی تھی۔ "لیکن میں... میں کسی کے لیے اسلام قبول نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں! یہ میرا فیصلہ ہے... میرا راستہ ہے... کوئی بھی مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی نہیں!"

اس نے کانپتے ہاتھوں سے قبر کی مٹی کو چھوا۔ جیسے ماں کا ہاتھ تھام رہا ہو۔ جیسے دعا مانگ رہا ہو۔ "آپ جانتی ہیں نا؟ آپ میری زندگی کا سب سے حسین حصہ تھیں۔ جب آپ ہنستی تھیں نا... تو لگتا تھا جیسے میرے اندھیرے کمرے میں کوئی روشنی جلا گیا ہو۔ اور اب... اب صرف اندھیرا ہے ممی۔ گھپ اندھیرا۔"

وہ سسک سسک کر بول رہا تھا، الفاظ ٹوٹ رہے تھے۔ "ممی، میں... میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ کبھی بھی نہیں۔"

کچھ لمحے وہیں جھکا رہا۔ بارش اس کی کمر پر گرتی رہی۔ وقت رک سا گیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ، جیسے کوئی بہت بوڑھا ہو، وہ اٹھا۔ اس کے کپڑے کیچڑ سے بھر چکے تھے۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا اور برابر والی قبر کی طرف بڑھا۔ وہ بھی سفید سنگ مرمر تھی۔ اس پر بھی پانی بہہ رہا تھا۔

وہ اس قبر کے سامنے بھی زمین پر بیٹھ گیا۔ اس بار اس نے ماتھا براہ راست سنگ مرمر پر ٹکا دیا۔ پتھر کی ٹھنڈک اس کے ماتھے کو جلا رہی تھی۔

"ڈیڈ..."اس کی آواز گلے میں کہیں اٹک گئی۔ پھر بڑی مشکل سے نکلی۔"میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔آپ میرے ہیرو تھے۔میرے بچپن کے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ صرف اس کی ہچکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ پھر سے بولا،اور اس بار اس کی آواز میں نمی کے ساتھ تلخی بھی تھی۔"لیکن ڈیڈ...میں آپ کو معاف نہیں کر سکتا!"

اس کے الفاظ ہوا میں لرز گئے۔"ممی نے آپ کی محبت میں اسلام قبول کیا...اور مجھے لگا جیسے وہ مجھ سے دور ہو گئی ہیں۔ جیسے وہ اب میری ممی نہیں رہیں۔آپ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے...میں نے دیکھا تھا...لیکن اس محبت نے مجھے...مجھے اکیلا کر دیا ڈیڈ۔ بالکل اکیلا۔"

جیوڈ کے آنسو اب خاموشی سے قبر کی مٹی میں گر رہے تھے،ایک کر کے۔"ڈیڈ، میں آپ کو یاد کروں گا...ہمیشہ! لیکن جب بھی ممی کا چہرہ یاد آتا ہے، مجھے وہ دن یاد آ جاتا ہے...وہ شام یاد آ جاتی ہے جب انہوں نے روتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ وہ مسلمان ہو گئی ہیں۔"

اس نے دونوں قبروں کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ایک گہرا، بے پناہ خالی پن تھا۔ایسا خالی پن جو ساری دنیا کا شور بھی نہیں بھر سکتا تھا۔"ممی...ڈیڈ...میں آپ دونوں سے محبت کرتا ہوں! بہت زیادہ۔ لیکن میرا...میرا یہاں اب کچھ نہیں رہا۔"

اچانک بارش تیز ہو گئی۔ جیسے آسمان بھی اس کے ساتھ رونے لگا ہو۔ ہوا نے ایک زور کا جھونکا لیا اور اس کے گیلے بال اس کے چہرے پر بکھیر دیے۔وہ بھیگ چکا تھا...اندر باہر سے۔

"جب بھی آپ کی یاد آئے گی..."اس نے دھیمی آواز میں کہا،"میں واپس آؤں گا۔آپ سے بات کروں گا۔ لیکن ابھی...ابھی مجھے جانا ہو گا۔"

اس نے جھک کر پہلے ماں کی قبر کی گیلی مٹی کو مٹھی میں بھرا۔ ٹھنڈی، نرم مٹی۔ پھر وہی مٹھی والد کی قبر پر رکھ دی۔ "میں پاکستان جا رہا ہوں ممی۔"

"ممی، میں آپ کو بہت یاد کروں گا...ہر لمحہ۔ ہر سانس کے ساتھ۔""ڈیڈ، میں آپ سے محبت کرتا ہوں...لیکن معاف نہیں کر سکوں گا۔"

وہ دیر تک دونوں قبروں کے درمیان جھکا رہا۔ بارش اس پر پڑتی رہی۔ آخر کار اس نے اپنے آپ کو گھسیٹا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ مڑا اور قبرستان کے پرانے، زنگ آلود گیٹ کی طرف چل پڑا۔ ہر قدم کے ساتھ لگتا تھا جیسے وہ اپنا کوئی حصہ پیچھے چھوڑ رہا ہے۔

گاڑی تک پہنچتے پہنچتے اس کی ہچکیاں قابو سے باہر ہو گئیں۔ وہ بھاگ کر ڈرائیور سیٹ پر گرا۔ دروازہ زور سے بند کیا۔ اس نے اسٹیئرنگ پر اپنا سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کا پورا جسم ہل رہا تھا۔ "میں نے سب کچھ کھو دیا..." وہ بڑبڑایا، "سب کچھ... ممی، ڈیڈ، گھر..."

Clubb of Quality Content

گاڑی کے شیشے کے باہر شہر کی روشنیاں تھیں۔ لیکن وہ اسے دھندلی دھندلی لگ رہی تھیں۔ جیسے کسی نے اس کی آنکھوں پر گیلا پردہ ڈال دیا ہو۔ ہر سڑک، ہر بورڈ، ہر بلند عمارت... سب کچھ جیسے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ یہ ملک اب تیرا نہیں رہا۔ تو اب یہاں اجنبی ہے۔

وہ گاڑی دوڑاتا ہوا اپنے اپارٹمنٹ پہنچا۔ لفٹ کا انتظار نہیں کیا۔ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر آیا۔ دروازہ کھولا اور دھڑام سے بند کر دیا۔ جوتے تک نہیں اتارے۔ وہ سیدھا جا کر صوفے پر گر گیا، جیسے کوئی کٹا ہوا درخت۔

کمرے میں مکمل سناٹا تھا۔ صرف اس کی ہچکیوں کی آواز تھی جو دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی۔ سامنے ٹیبل پر شیشے کے فریم میں ماں کی تصویر رکھی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

جیوڈ نے لڑکھڑاتے ہاتھوں سے تصویر اٹھائی۔ اسے اپنے سینے سے لگا لیا، اتنے زور سے جیسے وہ زندہ ہو جائے۔ "ممی، میں جا رہا ہوں..." وہ روتے ہوئے بولا، "لیکن آپ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گی۔ ہمیشہ۔ میرے دل میں۔"

باہر بارش کی آواز کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ٹپ... ٹپ... ٹپ... جیسے کوئی بہت دور سے کہہ رہا ہو کہ تم اکیلے نہیں ہو۔ لیکن جیوڈ جانتا تھا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ شہر، یہ اپارٹمنٹ، یہ زندگی... اب اس کی نہیں رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ ناقابلِ واپسی فیصلہ۔

یہ رات اس کی زندگی کی سب سے بھاری، سب سے سیاہ رات تھی۔ اس رات اس نے امریکہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ پاکستان جا رہا تھا۔ اپنی ماں کی یاد کے بوجھ کے ساتھ۔ اپنے دل کے اس زخم کے ساتھ جو کبھی نہیں بھرے گا۔

اس نے تصویر کو سینے سے لگائے ہی آنکھیں بند کر لیں۔ دروازہ بند کرتے ہی وہ پھر سے صوفے پر ڈھے گیا۔ کمرے میں صرف بارش کی ٹپ ٹپ تھی... اور اس کی ٹوٹی ہوئی ہچکیاں۔

اچانک... دھماکے سے دروازہ کھلا۔ ہوا کا ایک سرد جھونکا اندر آیا۔ زاویان تھا۔ وہ بارش سے پورا بھیگا ہوا تھا۔ اس کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کے شولڈر پر پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں... آنکھوں میں غصہ تھا۔ اور اس غصے کے پیچھے چھپی ہوئی گھٹن والی فکر۔

"جیوڑ!" اس کی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرائی۔ "تم اپنی پیرنٹس کی قبر پر جا کر یہ سب کہہ کر آئے ہو؟ کہ اب تم اکیلے ہو؟ کہ تمہارا کوئی نہیں ہے؟" اس نے دو قدم آگے بڑھائے، اس کی سانس پھول رہی تھی۔ "تو میں کون ہوں؟ بتاؤ نا جیوڑ... میں کون ہوں تمہارے لیے؟ ہوں بھی یا نہیں؟"

جیوڈ نے دھیرے سے سر اٹھایا۔اس کی آنکھیں سرخ تھیں، سوجی ہوئی تھیں۔ سانس اکھڑی ہوئی تھی۔ وہ کچھ بول نہ سکا۔بس زاویان کو دیکھتا رہ گیا۔

کچھ لمحے... صرف چند لمحے... دونوں کے بیچ میں خاموشی تھی۔ وہ خاموشی جو چیخوں سے بھی زیادہ بلند ہوتی ہے۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے میں اٹک گئی تھیں۔ جیسے ہزاروں الفاظ گلے میں پھنس گئے ہوں۔

پھر جیوڈ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھا۔اس کا جسم کانپ رہا تھا۔اور اگلے ہی لمحے اس نے زاویان کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔اتنے زور سے جیسے اسے کبھی چھوڑنا ہی نہ ہو۔"نہیں یار..."اس کی آواز زاویان کے گیلے شولڈر میں گھٹ گئی،"یہ بات نہیں تھی! میں... میں بس بہت ٹوٹ گیا تھا۔ سوری بڈی... بہت سوری۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔"تم ہی میرا بھائی ہو... تم ہی میرا دوست ہو... تم ہی میرے باس ہو... سب کچھ تم ہی ہو زاویان۔ میرے پاس تمہارے سوا ہے ہی کیا؟"

وہ اندر سے خود بھی اداس تھا۔ اپنا ملک، اپنا گھر، اپنی مٹی چھوڑنے کا دکھ اس کے سینے میں خنجر کی طرح تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا... زاویان کو اپنے گھر والوں سے ملنے کی خوشی تھی۔ برسوں بعد۔ وہ اس کی خوشی کو اپنے دکھ سے خراب نہیں کرے گا۔ ہر گز نہیں۔ اسے مسکرانا تھا۔ اور وہ مسکرا لے گا۔ اسے فن آتا تھا۔ اپنے دکھ چھپانے کا فن، وہ بہت اچھے سے جانتا تھا۔

زاویان کا چہرہ آہستہ آہستہ نرم پڑ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ جیوڈ کی کمر پر رکھا۔ "تو پھر یہ سب فضول باتیں کیوں کر رہا تھا؟ ہاں؟ میں ہوں نا تیرے ساتھ... ہر وقت، ہر جگہ۔ جب تک سانس ہے۔"

Clubb of Quality Content

اس نے جیوڈ کو خود سے الگ کر کے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔ "... میرا بھائی، میرا دلارا، میری... جانو۔"

زاویان نے ایک لمحہ اسے گھورا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ پھر اس نے گہری سانس لی اور ہلکی سی، تھکی ہوئی

"بے شرم آدمی..."اس نے جیوڈ کے گیلے بالوں کو جھٹکا دیا۔"دو گھنٹے بعد فلائٹ ہے۔ٹکٹ کنفرم ہے۔سامان تیار کر۔ابھی۔"

جیوڈ ہکا بکا رہ گیا۔اس کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔"اتنی جلدی؟"

"ہاں!"زاویان نے سختی سے کہا، لیکن اس کی آواز میں نرمی تھی۔"میں نے اپنے گھر والوں کو بھی بتا دیا ہے کہ تُو ہمارے ساتھ رہے گا۔میرے گھر میں۔تو کوئی مہمان نہیں ہے جیوڈ۔تو گھر والا ہے۔سمجھا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آخر کار...دونوں نے آخری بار کمرے پر نظر دوڑائی۔

اگلے بیس منٹ...افرا تفری تھی۔دونوں نے مل کر تیزی سے پیکنگ شروع کی۔الماریاں کھلیں، بیگ زمین پر گرے۔جیوڈ نے صرف ضروری سامان اٹھایا۔ماں کی وہ ایک تصویر جسے وہ سینے سے لگائے ہوئے تھا۔اپنی بچپن کی پھٹی ہوئی ڈائری۔اور دو تین چھوٹی یادگار چیزیں جن میں اس کی

پوری زندگی بند تھی۔ زاویان نے پاسپورٹ، ٹکٹس، چارجر، سب کچھ سنبھالا۔ وہ دوڑ رہا تھا... کمرے سے کچن تک، کچن سے دروازے تک

کمرے کی دیواریں اب خاموش گواہ بن چکی تھیں۔ وہی دیواریں جنھوں نے راتوں کی نیندیں، امتحانوں کی گھبراہٹ، کامیابی کا جشن اور تنہائی کے آنسو سب دیکھے تھے۔ صوفے کا ایک کونا تھوڑا دبا ہوا تھا، وہیں جہاں جیوڈ گھٹنوں بیٹھ کر لیپ ٹاپ پر مستقبل کے پلان بناتا رہا تھا۔ ٹیبل پر ایک خالی کپ پڑا تھا، جس میں صبح کی چائے کا آخری گھونٹ سوکھ چکا تھا۔ الماری کا دروازہ آدھا کھلا تھا، جیسے خود بھی جانا نہیں چاہتا ہو۔ ہر چیز، ہر کونا، ہر سایہ جیسے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہا تھا "رک جاؤ"۔

Clubb of Quality Content

ہوا میں ایک عجیب سا بوجھ تھا۔ وہ بوجھ جو صرف تب اترتا ہے جب کوئی گھر چھوڑ رہا ہو۔ کوئی وطن چھوڑ رہا ہو۔

جیوڈ نے دروازے کے قریب رکھے ہوئے اپنے پرانے بلیک سنیکرز اٹھائے۔ وہ جوتے جنھوں نے نیویارک کی برف، شکاگو کی ہوا اور واشنگٹن کی بارش سب سہی تھی۔ اس نے جلدی سے پہن لیے، مگر انگلیاں بار فیتے سے پھسل رہی تھیں۔ دل کسی انجانی بے چینی سے دھڑک رہا تھا۔ یہ خوف نہیں

تھا۔ یہ وہ گھٹن تھی جو تب ہوتی ہے جب سینہ تنگ ہو جائے، سانس پھولنے لگے، اور لگے کہ ابھی کچھ چھوٹ جائے گا۔ ہمیشہ کے لیے۔

زاویان نے ایک ہاتھ میں پاسپورٹ اور ٹکٹ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ وہ صرف کاغذ نہیں تھے۔ وہ دو سال کی جدوجہد، ہزاروں میل کا فاصلہ، اور ایک نئی شروعات تھے۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ "چٹک" کی آواز کمرے میں گونجی تو جیوڈ کا دل بھی ساتھ ہی ہل گیا۔ دروازہ کھلا تو باہر کوریڈور کی سفید، بے رحم روشنی اندر بہہ آئی۔ وہ روشنی جو کہہ رہی تھی کہ اب پیچھے مڑنے کی گنجائش نہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باہر نکلتے ہی راستے میں اُنہیں لگ رہا تھا کہ جیسے دنیا کی ہر آواز دوگنی ہو گئی ہو۔ بیگ کے زِپ کھلنے اور بند ہونے کی آواز، جو عام دنوں میں کوئی نہیں سنتا، آج دل کی دھڑکن بن گئی تھی۔ قدموں کی چاپ ٹائلز پر گونج رہی تھی۔ ہر قدم کے ساتھ لگتا تھا جیسے کوئی پرانی یاد کچلی جا رہی ہو۔ اور پھر دروازے کے بند ہونے کی ہلکی سی "دھمک"... وہ آواز نہیں تھی۔ وہ ایک دور کی ساعت تھی۔ ایک دور کی بندش۔

لفٹ کا دروازہ کھلا۔ اسٹیل کے آئینے میں دو لڑکے کھڑے تھے۔ ایک ہی سفر، ایک ہی منزل، مگر دو مختلف تھکن۔ دونوں خاموش تھے۔ لفٹ کے بند ڈبے میں صرف سانسوں کی آواز تھی۔ جیوڈ کی سانسیں تیز، بے ترتیب، جیسے دوڑ کر آیا ہو۔ زاویان کی سانسیں گہری، ضبط شدہ، جیسے خود کو روک رہا ہو کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے، مگر ایک دوسرے کی گھبراہٹ کی حرارت محسوس کر رہے تھے۔

لفٹ جب لابی میں رکی تو دھڑام کی آواز نے جیوڈ کو چونکا دیا۔ اس نے بے اختیار پیچھے مڑ کر اوپر کی منزل کی طرف دیکھا۔ ساتویں فلور۔ ان کا اپارٹمنٹ۔ وہ کھڑکی جہاں سے وہ رات کو شہر کی روشنیاں گنتا تھا۔ وہ بالکونی جہاں بیٹھ کر وہ دونوں مستقبل کے نقشے بناتے تھے۔ اس لمحے لگا جیسے سینے کے بیچ سے کوئی دھاگہ ٹوٹ رہا ہو۔ کوئی رشتہ جو خون کا نہیں تھا، مگر روح کا تھا۔ آنکھوں کے کنارے جلنے لگے۔ اس نے فوراً سر جھکا لیا تاکہ زاویان دیکھ نہ لے۔

زاویان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ سخت نہیں، بس ایک سہارا۔ اور آہستہ کہا، "چلو، وقت ضائع نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز بھری ہوئی تھی، مگر لہجے میں وہ مضبوطی تھی جو جیوڈ کو ہمیشہ سنبھال لیتی تھی۔

پارکنگ کی زیرِ زمین جگہ ٹھنڈی اور نم تھی۔ ہوا میں پیٹرول اور بارش کی ملی جلی بو تھی۔ زاویان نے ریموٹ دبایا تو گاڑی کی لائٹیں جھپکیں۔ اس نے پچھلا دروازہ کھولا اور بیگ اندر پھینک دیا۔ بیگ گرا تو ایسے لگا جیسے سارا ماضی پیچھے پھینک دیا ہو۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ انجن کی گڑگڑاہٹ نے خاموشی کا گلا گھونٹ دیا۔

جیوڈ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا۔ سیٹ بیلٹ باندھی۔ ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے۔ گاڑی باہر نکلی تو شہر کی رات بھی جیسے اُن کے ساتھ دوڑ پڑی۔ ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ شیشے پر باریک قطروں کی جالی بن گئی تھی۔ وائپرز کی "چرچر" آواز ایک میٹرونوم کی طرح تھی۔ سڑک پر ہیڈ لائٹس کی روشنی پانی میں ٹوٹ کر بکھر رہی تھی، جیسے کسی نے ہیرے سڑک پر بکھیر دیے ہوں۔ ہر سگنل، ہر موڑ، ہر وہ کافی شاپ جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے، اب آخری بار دیکھے جا رہے تھے۔ شہر بھی جیسے الوداع کہہ رہا تھا۔ خاموشی سے۔

دو گھنٹے۔ صرف دو گھنٹے میں ایک پوری زندگی سمٹ کر شیشے کے باہر رہ گئی۔

ایئرپورٹ پہنچے تو بارش اب بھی جاری تھی۔ تیز نہیں، بس ایک ضد کی طرح۔ رن وے کی پیلے اور سفید لائٹیں پانی میں تیر رہی تھیں، جیسے زمین پر ستارے اتر آئے ہوں۔ گاڑی رکی۔ دروازہ کھلا۔ ٹھنڈی، بھیگی ہوا نے چہرے کو چھوا تو جیوڈ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ باہر نکلا۔ سامنے ایئرپورٹ کی شیشے کی بلند عمارت تھی۔ اوپر جہازوں کے سائے۔ دور شہر کی دھندلی روشنیاں۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور سرگوشی میں کہا، "الوداع امریکا..." لفظ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ بارش نے اسے دھو دیا۔ مگر دل پر جو نمی تھی، وہ نہیں دھلی۔

اندر چیک ان کاؤنٹر، سیکیورٹی، امیگریشن۔ ہر جگہ قطاریں۔ ہر جگہ اجنبی چہرے۔ پاسپورٹ پر جب امیگریشن آفیسر نے مہر لگائی تو "ٹھک" کی آواز جیوڈ کے دل پر لگی۔ بورڈنگ پاس ہاتھ میں آیا تو انگلیاں اسے بے سبب مسلنے لگیں۔

Clubb of Quality Content!

اعلان ہوا۔"Flight PK-701 to Lahore, now boarding at Gate C-14."گیٹ بدلا۔ وہ دوڑے۔ جہاز کے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی ہوا کا دباؤ بدلا۔ جہاز کی اپنی ایک مہک ہوتی ہے۔ نئی سیٹوں، بند ہوا اور دور کی مسافت کی مہک۔

جیوڈ کی سیٹ کھڑکی کے ساتھ تھی۔ اس نے بیگ اوپر والے کمپارٹمنٹ میں رکھا۔ بیٹھا۔ سیٹ بیلٹ باندھی۔ کھڑکی سے باہر دیکھا۔ باہر صرف اندھیرا تھا۔ اور بارش۔ رن وے کی لائٹیں قطار در قطار، بھیگ کر چمک رہی تھیں۔

جہاز نے ٹیکسی کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ رفتار پکڑی۔ رن وے کی لائٹیں پیچھے بھاگنے لگیں۔ انجن نے زور سے گڑگڑانا شروع کیا۔ جسم سیٹ سے چپک گیا۔ اور پھر... جہاز نے زمین چھوڑ دی۔

نیچے امریکا تھا۔ لاکھوں گھروں کی کھڑکیاں۔ ہائی ویز پر گاڑیوں کی روانی۔ پل۔ دریا۔ سب کچھ۔ اور پھر بادل آئے۔ گھنے، سفید، روئی کے پہاڑ جیسے۔ اور نیچے کی ساری روشنیاں دھندلا گئیں۔ مٹ گئیں۔ جیسے کوئی پرانی فلم ریوائنڈ ہو کر ختم ہو گئی ہو۔

ایک نئے سفر کا آغاز۔ایک نئے وطن کی طرف۔پاکستان۔

جہاز میں ساتھ بیٹھے دونوں خاموش تھے۔کھڑکی سے باہر اب صرف سیاہی تھی۔کبھی کبھار بادل کے بیچ سے بجلی چمکتی تو ایک لمحے کے لیے رن وے کی بھیگی روشنی نظر آجاتی،اور پھر غائب۔

ٹیک آف کے وقت جیوڈ نے آنکھیں بند کر لیں۔جہاز نے ہلکا سا جھٹکا لیا تو اس نے فوراً سیٹ کا ہینڈل پکڑ لیا۔ناخون سفید پڑ گئے۔سانس رک سی گئی۔

"یار، یہ جہاز اُڑ رہا ہے یا کانپ رہا ہے ؟"اس نے آنکھ کھولے بغیر کہا۔آواز میں ہنسی کا پردہ تھا، مگر اس کے پیچھے چھپا ہوا ڈر صاف سنائی دے رہا تھا۔

زاویان نے ہنس کر کندھا ہلایا۔"ڈرپوک مت بن۔یہ پائلٹ کا ہاتھ کانپ رہا ہو گا، جہاز نہیں۔" اس کی ہنسی میں وہی پرانی شرارت تھی۔وہ شرارت جو مشکل سے مشکل وقت میں بھی زندہ رہتی ہے۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ صرف جہاز کے انجن کی مسلسل بھنبھناہٹ۔ کیبن کی مدھم روشنی۔ دور کہیں ایک بچے کے رونے کی آواز۔ پھر جیوڈ نے آہستہ کہا، بغیر زاویان کی طرف دیکھے، "پتہ ہے، جب بھی جہاز اُڑتا ہے نا...دل عجیب سا ہو جاتا ہے۔"

زاویان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیوں ؟"

جیوڈ نے کھڑکی کے شیشے پر انگلی پھیری۔ باہر پانی کے قطرے باہر سے اندر کی طرف بہہ رہے تھے۔ "لگتا ہے... جیسے زمین پہ جو لوگ چھوڑے ہیں، اُن سے کبھی ملا نہ جا سکے۔ یہ اونچائی صرف میل کا فاصلہ نہیں بڑھاتی۔ رشتوں کے بیچ بھی ایک خلا ڈال دیتی ہے۔"

زاویان ہنس پڑا۔ زور سے نہیں، بس ایک تھکی ہوئی ہنسی۔ "ابے یار ! اتنا فلسفی مت بن۔ اب تو ذرا سا ہی سفر رہ گیا ہے۔ چودہ گھنٹے... بس۔ لاہور پہنچنے والے ہیں ! وہاں اترتے ہی امی کے ہاتھ کی بریانی، گرما گرم چائے، اور پھر... پھر نئی زندگی۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جیوڈ نے آنکھیں کھولیں۔ کھڑکی کے شیشے میں اپنا دھندلا عکس دیکھا۔ تھکا ہوا، بال بکھرے ہوئے، مگر آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک۔ اس نے طنزیہ مسکراہٹ دی۔ "ہاں، لیکن فلائٹ چھوٹی ہو یا زندگی... دونوں کا پتہ نہیں کب لینڈ کر جائیں۔ ہم پلان بناتے ہیں۔ ٹکٹ کاٹتے ہیں۔ بیگ پیک کرتے ہیں۔ مگر اصل لینڈنگ... وہ تو اوپر والا کرواتا ہے۔"

زاویان چپ ہو گیا۔ جواب نہیں تھا اس کے پاس۔ باہر بادل تھے۔ اندر سوچوں کا طوفان۔ جہاز اڑ رہا تھا۔ وقت اڑ رہا تھا۔ اور وہ دونوں... دو اجنبی شہروں کے درمیان، آسمان کے بیچ میں معلق تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ائیر ہوسٹس پانی اور جوس لے کر گزری۔ دونوں نے نرمی سے انکار کر دیا۔ پانی نہیں چاہیے تھا۔ نیند نہیں چاہیے تھی۔ بس یہ لمحہ چاہیے تھا۔ یہ خاموشی۔ یہ وہ خلا جو نہ ماضی تھا نہ مستقبل۔ صرف حال تھا۔ کچا، سچا، بے نقاب حال۔

جیوڈ نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا۔ آنکھیں پھر بند ہو گئیں۔ اس بار ڈر سے نہیں۔ تھکن سے۔ اور ایک عجیب سی امید سے۔ پیچھے امریکا رہ گیا تھا۔ آگے پاکستان تھا۔ اور درمیان میں... یہ کئی ہزار فٹ کی اونچائی پر لکھا جانے والا ایک نیا باب تھا۔

لاہور...وہ شہر جس کی شاموں میں تاریخ کی خوشبو رچی ہوتی ہے، جہاں پرانی اینٹیں بھی صدیوں پرانے قصے سناتی ہیں اور جدید عمارتیں بھی اپنے اندر ایک الگ وقار سمیٹے کھڑی رہتی ہیں۔اسی شہر کے ایک پوش علاقے میں ایک ایسی رہائش گاہ تھی جس کے بارے میں لوگ صرف اتنا کہتے تھے کہ وہ ایک گھر نہیں، ایک نسل کی پہچان ہے۔

دور سے دیکھنے پر اس کی عمارت اپنی بلندی کے باعث نہیں بلکہ اپنی خاموش عظمت کے باعث نظر کو روک لیتی تھی۔ گہرے رنگ کے پتھر، بلند ستون، چوڑے برآمدے، لمبی کھڑکیاں اور ایسا تعمیراتی حسن جس میں نمائش سے زیادہ وقار شامل تھا۔ مرکزی دروازے پر سنہرے حروف میں صرف دو لفظ لکھے تھے

...۔آغا ہاؤس

اس نام کے ساتھ لاہور کے کاروباری حلقوں میں احترام بھی جڑا تھا اور رعب بھی، کیونکہ اس گھر کے بزرگ، آغا ملک، صرف ایک خاندان کے سربراہ نہیں تھے بلکہ ایک ایسی شخصیت تھے جن کی

موجودگی خود ایک ادارے کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کی عمر ڈھل چکی تھی، بالوں کی سفیدی وقت کی گواہ تھی، مگر ان کی آنکھوں کی روشنی اب بھی اتنی ہی گہری تھی کہ سامنے والا نظریں جھکانے پر مجبور ہو جاتا۔ وہ سخت ضرور تھے مگر صرف اصولوں میں، دل کے اعتبار سے وہ شاید اس گھر کے سب سے نرم انسان تھے۔ گھر کا ہر فرد انہیں "آغا جان" کہہ کر پکارتا تھا، اور اس ایک لفظ میں احترام، محبت، اعتماد اور اپنائیت سب کچھ سمٹ آتا تھا۔

صبح کی پہلی کرن ابھی پوری طرح زمین پر نہیں اتری تھی کہ راہداریوں میں خاموشی آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگی۔ ملازمین اپنے اپنے کام میں لگ چکے تھے، باورچی خانے میں ناشتے کی تیاری شروع ہو چکی تھی، مگر گھر کے اندر ایک عجیب سی ترتیب تھی، جیسے ہر چیز کو معلوم ہو کہ اسے کس وقت کیا کرنا ہے۔

اسی عمارت کی دوسری منزل پر ایک وسیع کمرہ تھا، جو اس گھر کی دو سب سے منفرد لڑکیوں کی دنیا تھا۔

وہ کمرہ درمیان سے کسی دیوار نے نہیں بلکہ دو مختلف شخصیتوں نے تقسیم کر رکھا تھا۔ بائیں طرف کتابوں کی الماریاں تھیں جن میں نفسیات، انسانی رویوں، ذہنی امراض، شخصیت سازی اور تحقیق

سے متعلق سینکڑوں کتابیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ ہر کتاب پر رنگین اسٹکی نوٹس لگے تھے، ہر صفحے پر پنسل کے باریک نشان تھے،

ہر چیز اپنی جگہ پر۔

یہ حصہ عائش ملک کا تھا۔ اکیس سالہ عائش، جو پیشے کے اعتبار سے ماہرِ نفسیات تھی، مگر اس کی اصل دلچسپی انسان کے ذہن کے ان حصوں کو سمجھنے میں تھی جنہیں لوگ خود بھی نہیں سمجھ پاتے۔ وہ کم بولتی تھی، مگر جب بولتی تو اس کی باتوں میں عجیب سی گہرائی ہوتی۔ اس کی خاموشی کبھی بوجھل نہیں لگتی تھی، بلکہ سکون دیتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کمرے کا دوسرا حصہ بالکل مختلف تھا۔ وہاں بھی کتابیں تھیں، مگر ترتیب کے باوجود ان میں زندگی زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ ایک طرف میڈیکل کی موٹی موٹی کتابیں، اناٹومی کے چارٹ، انسانی جسم کے ماڈل، اور ان کے ساتھ ہی اردو اور انگریزی ناولوں کی لمبی قطار۔

یہی حصہ زمرہ کا تھا۔اکیس سالہ زمرہ ایک پروفیشنل ڈاکٹر تھی۔اسپتال میں وہ نہایت سنجیدہ،ذمہ دار اور پر اعتماد نظر آتی،لیکن جیسے ہی گھر واپس آتی،سفید کوٹ کی جگہ ناول ہاتھ میں لے لیتی۔اس کے نزدیک ہر اچھی کہانی انسان کے دل کی دھڑکن کو نرم کر دیتی تھی۔

وہ اکثر کہتی،"دوائیں جسم کو سکون دیتی ہیں،لیکن بعض کہانیاں روح کو زندہ کر دیتی ہیں۔
"عائش کئی مرتبہ اس بات پر صرف مسکرا دیتی،کیونکہ اسے معلوم تھا کہ زمرہ ہر چیز کو دل سے محسوس کرتی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دونوں جڑواں تھیں،چہرے حیرت انگیز حد تک ملتے جلتے تھے،مگر شخصیتیں آسمان اور زمین کی طرح مختلف تھیں۔ایک خاموش سوچ تھی،دوسری چلتی پھرتی زندگی۔ایک کتاب بند کر کے گھنٹوں سوچ سکتی تھی،
دوسری ایک سانس میں دو سو صفحات ختم کر دیتی تھی۔

مگر ان دونوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ تھا جس میں لفظوں کی ضرورت کم ہی پڑتی تھی۔

عائش صرف ایک نظر دیکھ کر سمجھ جاتی کہ زمرہ کے دل میں کیا چل رہا ہے،اور زمرہ عائش کے خاموش چہرے سے اس کی ہر کیفیت پڑھ لیتی تھی۔

جاری ہے۔۔۔۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842